مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کی کتاب الکوکب الدری

حافظ عبدالباسط خان ☆

''الکوکب الدری'' برصغیر پاک و ہند کے مشہور محدث مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے افادات کا مجموعہ ہے جو مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی نے مرتب کیا ہے۔ اس شرح کے خصائص و امتیازات پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا گنگوہی کے مختصر احوال کا ذکر کر دیا جائے۔

تعارف مصنف

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۹ء کو جمعرات کے دن چاشت کے وقت قصبہ گنگوہ کے اس مکان میں پیدا ہوئے جو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مکان کے متصل تھا۔ (۱)

گنگوہ ضلع سہارنپور کا ایک قدیم قصبہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں کے ایک بادشاہ راجہ گنگ کے نام سے منسوب ہے۔ یہ شہر سہارنپور سے ۳۲ میل جنوب میں واقع ہے (۲) دو آبہ (۳) کے دیگر علاقوں کی طرح اس کی وجہ شہرت بھی دینی نوعیت کی ہے کیونکہ اس علاقہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور شاہ ابوسعیدؒ مدفون ہیں۔ (۴)

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے والد کا نام مولانا ہدایت احمد تھا۔ وہ شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ (۵) مولانا گنگوہیؒ کی عمر ابھی سات سال کی ہی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہوا۔ پھر والدہ صاحبہ، جو سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے باعث عقائد و اعمال میں نہایت پختہ تھیں، انہوں نے آپ کی پرورش کی۔ (۶)

☆ لیکچرار، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب لاہور

آپ نے ابتدائی تعلیم بالترتیب اپنے بھائی مولانا محمد عنایت صاحب اور ماموں مولانا محمد تقی صاحب سے حاصل کی ۔ عربی کی ابتدائی کتب مولانا محمد غوث صاحب سے پڑھیں ۔ (۷) انہوں نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی جانے کا مشورہ دیا۔ ۱۲۶۱ھ میں آپ نے دہلی کا سفر فرمایا۔ مولانا انورالحسن لکھتے ہیں :

''۱۲۶۱ھ میں ایک اور طالب علم جو آگے چل کر قطب الارشاد کے مقام پر پہنچا اور وہ حجۃ الاسلام کا ہم درس ہوا وہ مولانا رشید احمد گنگوہی تھے''۔ (۸)

دہلی ، چونکہ اس دور میں علوم وفنون کا مرکز تھا لہٰذا یہاں مختلف عظیم علمی ہستیاں تدریس کے حلقے لگائے ہوئے تھیں ۔ مولانا نے مختلف حلقہ ہائے تدریس میں امتحاناً شرکت کرنے کے بعد بالآخر مولانا مملوک العلی صاحب کے حلقہ درس کا انتخاب کیا۔

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

''ثم لازم الشیخ مملوک العلی النانوتوی و قرأ علیه اکثر الکتب الدرسیة''(۹)

علم حدیث آپ نے شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے حاصل کیا ۔ ان کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

دہلی میں آپ کا عرصہ تعلیم صرف چار سال ہے ۔ لیکن ان چار سالوں میں آپ نے تقریباً تمام متداول علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کر لی تھی ۔

مولانا گنگوہی نے اکیس سال کی عمر میں اپنے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کی صاحبزادیؒ سے نکاح کیا ۔ (۱۰) نکاح کے بعد خود اپنے شوق سے بغیر کسی استاد کے پورے ایک سال میں قرآن حفظ کیا اور صلوۃ التراویح میں سنایا ۔ (۱۱)

حصول علم ہی کے زمانے میں مولانا کو اصلاح و ارشاد کا فکر دامن گیر تھا لیکن قلبی میلان و اطمینان کے بغیر آپ نے اس باب میں قدم رکھنا پسند نہیں کیا ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے

بارے میں آپ اسی سکونت دہلی کے زمانے میں بار ہا سن بھی چکے تھے اور دو تین دفعہ ملاقات بھی کر چکے تھے۔ آخر انہی کے ہاتھ پر آپ نے پوری فکر و تحقیق کے بعد سلاسل اربعہ میں بیعت کی اور چالیس دن انہی کے پاس رہ کر تزکیۂ باطن پر توجہ دی اور اس قلیل مدت میں خلافت و اجازت کا خرقہ بھی حاصل کر لیا۔ (۱۲)

علم ظاہر و اصلاح باطنی سے قدرے فراغت کے بعد مولانا نے اپنی ساری زندگی خدمت دین کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہاں ان خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اصلاحی خدمات

قرآن مبین نے انبیاء و رسل کے بعثت کے مقاصد کے ضمن میں تزکیۂ نفس کو بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب و الحکمۃ ﴾(۱۳)

تزکیہ نفوس کے اسی اہم عمل کے مربوط علم کا نام تصوف ہے۔ چنانچہ علم تصوف کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:

''ھو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس و تصفیۃ الاخلاق و تعمیر الباطن و الظاھر لنیل السعادۃ الابدیۃ و یحصل بہ اصلاح النفس و المعرفۃ و رضاء الرب''(۱۴)

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس علم میں غیر اسلامی نظریات مثلاً شرک، رہبانیت، تخریب دین، اباحت مطلقہ اور نفاق و مداہنت جیسے عناصر شامل ہو گئے۔ (۱۵)

مولانا گنگوہی نے بھی دیگر علماء کی طرح اس علم کو ان آلائشوں سے پاک کرنے کی کوشش فرمائی۔ اس ضمن میں آپ کی دو خدمات قابل ذکر ہیں۔

اول آپ کے وہ ملفوظات و ارشادات ہیں جو آپ نے حقیقت تصوف کے بارے میں

فرمائے ہیں۔ مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں:

''غرض کیفیت سے نہیں مقصد سکون و ربط قلب باللہ ہے حالات جو اولیاء پر ہوئے وجد و حال کے اس کا بیسواں حصہ بھی صحابہ سے منقول نہیں''۔(۱۶)

دوم آپ کے تربیت یافتگان کا سلسلہ ہے جس نے نسل در نسل ہزاروں لوگوں کی زندگیوں کو شرک و بدعت سے منزہ کر کے معرفت و یقین کی طرف پھیرا ہے۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا محمد الیاس دہلوی، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا یحییٰ کاندھلویؒ اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ جیسے اساطین علم و عمل آپ کے خانوادۂ تصور کے خلفاء مجاز ہیں۔ (۱۷)

جہادی خدمات

۱۸۵۷ء کی جنگ برصغیر پاک و ہند کے رہنے والوں کے لیے حصول آزادی کا واحد اور آخری موقع تھا۔ علماء نے اولاً اس جنگ کو جہاد شرعی قرار دے کر عوام کے لیے اس میں شرکت کو باعث ثواب بنایا۔ (۱۸) اور پھر مختلف محاذوں پر ہراول دستے کے طور پر اس جنگ میں حصہ لیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں میدان شاملی میں فرنگیوں کا ڈٹ کا مقابلہ کیا۔ (۱۹) اگرچہ بعض حضرات نے ان علماء کی جہاد میں شرکت کو غیر یقینی یا حادثاتی قرار دیا ہے۔ (۲۰) تاہم تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ حضرات پوری بصیرت کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ (۲۱) مولانا گنگوہی کو اس ضمن میں چھ ماہ قید کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ (۲۲)

طبی خدمات

مولانا نے اگرچہ باقاعدہ طور پر علم طب نہیں سیکھا تھا تاہم خدائے لم یزل کی طرف سے مخلوق خدا کی خدمت کے لیے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی گئی تھی۔ آپ عموماً ادویہ مفردہ سے علاج کرتے تھے اور بڑے سہل اور سستے نسخے بتلایا کرتے تھے۔ (۲۳)

تدریسی خدمات

مولانا گنگوہی نے تین حج کیے تھے۔ تیسرے حج سے پہلے آپ کے ہاں تمام علوم وفنون کی تدریس ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک طالب علم کو فرمایا کہ میں چودھویں مرتبہ ہدایہ پڑھا رہا ہوں۔ (۲۴) البتہ تیسرے حج کے بعد آپ صرف علم حدیث پڑھاتے تھے۔ اس باب میں مولانا گنگوہی کی چند اولیات بھی ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ والے طریقہ ''سرد'' (۲۵) میں مولانا نے اس قدر تبدیلی فرمائی تھی کہ آپ جامع ترمذی کو دوسری تمام کتب پر مقدم کرتے تھے۔ (۲۶) نیز اسی طرح حنفیہ پر تارکین حدیث ہونے کے الزام کے باعث ان کے استدلالات حدیث کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ یہ دونوں عمل آپ کی اولیات میں شامل ہیں۔ (۲۷)

درس حدیث میں اولاً سلیس ترجمہ بیان فرماتے تھے۔ لغت پر بحث کرتے تھے اگر تعارض ہوتا تو اسے دور کرتے۔ بقدر ضرورت اسماء الرجال بیان کرتے اور آخر میں حنفیہ کے استدلالات وترجیحات شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ لیکن یہ سب صرف درس ترمذی میں ہوتا تھا۔ باقی کتب میں پھر سرد کے طریقہ پر صرف تلاوت ہوتی تھی۔ البتہ بخاری کے درس میں تراجم ابواب پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ (۲۸)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا یحییٰ کاندھلویؒ اور مولانا حسین علیؒ آپ کے نادر تلامذہ میں شامل ہیں۔ تین سو علماء نے آپ سے صحاح ستہ کی تکمیل پر سند اجازت حاصل کی۔ (۲۹) مولانا نہ صرف یہ کہ خود عمر بھر تدریس میں مشغول رہے بلکہ دیگر تدریسی اداروں کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔ چنانچہ اولاً دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی قبول کر لی اور پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی سرپرستی بھی قبول فرمائی۔

تصنیفی خدمات

تصنیف وتالیف سے مولانا کو زیادہ شغف نہ تھا۔ البتہ احناف پر جب تارکین حدیث ہونے کا الزام لگایا جاتا تو آپ احادیث سے مسلک حنفی کی بنیاد واضح کر دیا کرتے تھے

چنانچہ جمعہ فی القری، بیس تراویح، آمین بالجہر، رفع یدین، قرأت خلف الامام اور جماعۃ ثانیہ جیسے مختلف فیہ مسائل پر آپ نے بڑے قیمتی رسائل تصنیف فرمائے تھے۔ جو اب ''تالیفات رشیدیہ'' کے ضمن میں شائع ہو چکے ہیں۔

ان رسائل کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی اردو زبان میں مبسوط علمی شرح انوار الباری اور فقہ الحدیث میں بیسویں صدی کا سب سے بڑا مجموعہ ''اعلاء السنن'' میں آپ کے رسائل کے حوالہ جات ہیں۔

وفات

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کی بارھویں یا تیرھویں شب حجرہ میں نوافل ادا کرتے ہوئے ایک زہریلے جانور نے پاؤں کی چھوٹی انگلیوں کے درمیان کاٹا۔ اسی زخم کے باعث آٹھ یا نو جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ کو آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ (۳۱) انا للہ و انا الیہ رجعون

جامع ترمذی کا تعارف اور اس کی خصوصیات

جامع ترمذی، امام ترمذیؒ کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ ہے۔ سلسلہ نسب محمد بن عیسی بن سورۃ بن الضحاک السلمی ہے۔ آپ نے اپنے وقت کے مشہور اہل علم امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد، قتیبہ بن سعید اور محمد بن بشار سے علم حدیث حاصل کیا۔ حصول علم کے لیے آپ نے بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز وغیرہ کا سفر کیا۔ آپ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔

جامع ترمذی کتب ستہ میں تیسرے درجے کی کتاب ہے۔ یہ کتاب فقہ الحدیث کا مجموعہ، اصول حدیث اور علم اسماء الرجال کا مخزن اور حسن ترتیب کا عمدہ شاہکار ہے۔

الکوکب الدری پر تبصرہ کرنے سے پہلے مختصراً جامع ترمذی کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابو اسماعیل ہروی فرماتے ہیں کہ جامع ترمذی، بخاری اور مسلم کی نسبت زیادہ مفید ہے۔

اس لیے کہ ان دو کتابوں سے صرف وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جو علم حدیث سے گہری واقفیت رکھنے والا ہو۔ لیکن امام ترمذی کی اس تالیف سے حدیث کا ادنی طالب علم بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔(۳۲)

۲۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مذاہب فقہاء اور ان کے استدلالات کی وجوہ بیان کرنے کے باعث یہ کتاب تمام کتب حدیث سے احسن ہے۔ شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ حسن ترتیب اور مضامین میں عدم تکرار بھی جامع ترمذی کی نمایاں خصوصیات ہیں۔(۳۳)

۳۔ امام ابوعبداللہ محمد عمر بن رشید کا کہنا ہے کہ جامع ترمذی کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک باب سے متعلق چند احادیث ذکر کرنے کے بعد اس سے متعلقہ دیگر احادیث کی طرف ''وفی الباب'' سے اشارہ فرما دیتے ہیں۔(۳۴) ان احادیث پر تحقیق کرنے سے طالب علم کو حدیث میں مہارت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ اس کتاب میں علل حدیث کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ صحیح، ضعیف اور ان کے درمیانی مراتب کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔(۳۵)

۵۔ فقہ الحدیث میں یہ کتاب بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔(۳۶)

۶۔ اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جس راوی کا نام ذکر ہو اس کی کنیت اور جس کی کنیت مذکور ہو اس کا نام بیان کر دیا جاتا ہے۔(۳۷)

۷۔ جامع ترمذی میں راویان حدیث پر جرح وتعدیل کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔(۳۸)

۸۔ امام ترمذیؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی یہ کتاب ''جامع ترمذی'' تصنیف کرنے کے بعد علمائے حجاز کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اس کی تعریف کی۔ اسی طرح علمائے عراق اور علمائے خراسان بھی اس کتاب کی تالیف سے خوش ہوئے۔ جس شخص کے گھر میں یہ کتاب موجود ہوگی گویا خود نبی علیہ السلام اس گھر میں کلام فرما رہے ہیں۔(۳۹)

۹۔ حافظ ابن اثیر ان تمام خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''امام ترمذی کی یہ صحیح ترمذی تمام کتب میں سے عمدہ اور سب سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔حسن ترتیب کے لحاظ سے یہ کتاب نمایاں اور قلت تکرار کے لحاظ سے ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔اس کتاب میں ائمہ کے مذاہب، استدلال کی مختلف وجوہ، صحیح، ضعیف اور غریب احادیث کا ذکر جس حسن وخوبی کے ساتھ کیا گیا ہے، دوسری کتاب میں نہیں، نیز اس میں جا بجا جرح وتعدیل کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے''۔(۴۰)

الکوکب الدری کا تعارف

مولانا یحییٰ کاندھلویؒ، والد ماجد شیخ الحدیث مولانا زکریا نے ۱۳۱۴ھ میں مولانا گنگوہی سے دورہ حدیث کیا۔آپ نہایت زیرک اور ذہین طالب علم تھے۔بڑے اہتمام سے درس حدیث میں شریک ہوتے تھے۔پڑھنے میں اس قدر انہاک ہوتا تھا کہ باوجود مولانا گنگوہی کی اجازت دینے کے، گھر نہیں جایا کرتے تھے۔خدائے تعالیٰ نے آپ کو علوم دینیہ کے ساتھ علوم عربیہ خصوصاً عربی ادب میں خصوصی مہارت عطا فرمائی تھی۔آپ اس چیز کا اہتمام کیا کرتے تھے کہ جو تقریر مولانا گنگوہی درس میں کیا کرتے تھے آپ اسے سبق سے فارغ ہونے کے بعد عربی زبان میں نقل کرلیا کرتے تھے۔اس طرح ان تمام کتب کی تقریر حدیث کو آپ نے محفوظ فرمالیا جو آپ نے محدث گنگوہی سے پڑھی تھیں۔الکوکب الدری آپ کی اسی جمع کردہ تقریر ترمذی کی کتابی شکل ہے۔آپ کے فرزند مولانا زکریا صاحبؒ نے اس تقریر پر مختصر حواشی مرتب کر کے اسے مکتبہ بجنوریہ سہارنپور سے طبع فرمایا۔اس کے بعد پاکستان میں بھی اسے مکتبہ ایچ، ایم، سعید نے طبع کیا۔۱۹۹۵ء میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ نے اسے نئی خوبصورت طباعت کے ساتھ چھاپنے کا اہتمام کیا۔اس میں اولاً مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ کے پیش لفظ ہیں جس میں جامع ترمذی کی خصوصیات، اس کی مختلف شروحات اور الکوکب الدری کی خصوصیات وغیرہ کا مختصر تذکرہ ہے۔اس کے بعد مولانا محمد عاقل صاحب کا مبسوط مقدمہ ہے جس میں تین فصول کے تحت امام ترمذی کے حالات، جامع ترمذی کے محاسن وخصوصیات اور بالترتیب مولانا گنگوہی، مولانا یحییٰ

کاندھلوی اور مولانا زکریاؒ کے حالات درج ہیں۔ اس کے بعد مولانا زکریاؒ کا مقدمہ ہے جس میں مولانا گنگوہیؒ کے طرز تدریس کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ پھر مولانا یحییٰ کاندھلوی کی ضبط کردہ تقریر ترمذی شروع ہو جاتی ہے۔

الکوکب الدری کی خصوصیات

پچھلی سطور میں یہ بات گزر چکی ہے کہ الکوکب الدری کوئی مستقل شرح نہیں ہے جسے حضرت مولانا گنگوہی نے تالیف کیا ہو بلکہ یہ تو ان کی درسی تقریر ترمذی ہے۔ جو ان کے تلمیذ نے مرتب کی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''و کتاب "الکوکب الدری" و ھو بالمذکرات اشبه منه بشرح ضاف واف، لجامع الترمذی'' (۴۱)

لہٰذا ایک مستقل شرح کی خصوصیات ولوازمات اس میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً ہر ہر سند کے رجال پر مستقل بحث کی گئی۔

امام ترمذی کی احادیث مافی الباب میں سے ہر ایک ایک حدیث کی تخریج نہیں کی گئی۔ تاہم مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

(۱) اختلافی مسائل میں احناف کے دلائل کو بڑی عمدگی کے ساتھ مختصر ترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۲) حسب ضرورت اسماء الرجال کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) اصولی، ادبی اور نحوی قواعد کا بھی جا بجا ذکر ہوا ہے۔ مثلاً ''**ایّ الصلوۃ افضل**'' کے ذیل میں نحوی قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ ایّ کی اضافت اگر اسم معرف باللام کی طرف ہو تو اجزاء میں سے ایک جزء مراد ہوتا ہے۔ جبکہ اگر اضافت اسم نکرہ کی طرف ہو تو وہاں مختلف انواع میں سے ایک نوع مراد ہوتی ہے۔

(۴) متعارض احادیث کا بڑا عمدہ حل پیش کیا گیا ہے۔ نادر توجیہات بھی جا بجا مذکور ہیں۔ مولانا یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہی ایسی نادر اور اچھوتی توجیہات پیش کیا کرتے تھے جن سے بڑی بڑی ضخیم کتب بھی خالی ہوتی تھیں۔ (۴۲)

(۵) مقاصد شریعت اور اسرار و حکم بھی اس ذخیرے میں ملتے ہیں۔

ان خصوصیات کے مختصر ذکر کے بعد اب انہی کی چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جا رہی ہیں۔

مسئلہ نجاسۃ الماء میں مختلف مسالک کے درمیان تطبیق

پانی جس قدر اہم ضرورت ہے

اس میں اسی قدر اختلاف بھی ہے۔ چنانچہ علماء کے ہاں پانی کے نجس اور غیر نجس ہونے کی بحث معرکۃ الاراء مسائل میں شمار ہوتی ہے۔ علم حدیث اور فقہ کے ذخیرہ پر نظر ڈالنے سے اس مسئلہ کی اہمیت اور اس میں کثرۃ اختلاف کا بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس بات پر ائمہ ثلثہ ماسوا امام مالک کا اتفاق ہے کہ پانی کے نجس اور غیر نجس ہونے میں قلیل و کثیر کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی اگر پانی کثیر ہو تو پھر نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو گا الا یہ کہ تینوں وصف (رنگ، بو، مزہ) میں سے کوئی تبدیل ہو جائے جبکہ قلیل پانی نجاست گرنے سے فوراً ناپاک ہو جائے گا۔ لیکن اس قلت و کثرت کی تحدید ان کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ پانی کی قلت و کثرت رائے مبتلی بہ پر موقوف ہے۔ یعنی جس شخص کو یہ مسئلہ درپیش ہے وہ خود ہی اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ آیا پانی کثیر ہے یا قلیل ہے۔ (۴۳)

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ قلت و کثرت کے درمیان حد فاصل پانی کا ''قلتین'' ہونا ہے۔ یعنی اگر پانی دو مٹکے کی تعداد ہو تو وہ کثیر سمجھا جائے گا۔ (۴۴)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پانی قلیل ہو یا کثیر جب تک اس کا کوئی ایک وصف نہ بدلے وہ پاک ہی سمجھا جائے گا۔ (۴۵) ان کے علاوہ اقوال بھی دیگر مجتہدین سے منقول ہیں جن کی تعداد صاحب ''السعایہ'' کے قول کے مطابق پندرہ تک پہنچتی ہے۔ (۴۶)

تنقیح کے بعد صرف دو ہی اقوال باہم متعارض نظر آتے ہیں۔ یعنی امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا قول۔ امام شافعیؒ کا مستدل ابن عمرؓ کی وہ مشہور حدیث ہے جو حدیث القلتین کے نام سے مشہور ہے۔

''عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ و ھو یسئال عن الماء یکون فی الفلاۃ من الارض و ما ینوبہ من السباع والدواب؟ قال ! فقال رسول اللہ ﷺ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث''(۴۷)

احناف اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ مضطرب السند، مضطرب المتن اور مضطرب المعنی ہے۔ مضطرب السند اس لیے کہ بعض اسے محمد بن جعفر بن الزبیر سے اور بعض اسے محمد بن عباد بن جعفر سے روایت کرتے ہیں۔ پھر بعض عبداللہ بن عبداللہ بن عمر سے اور بعض عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ مضطرب المتن اس طرح ہے کہ مختلف طرق میں قلتین، قلتین اوثلاثا اور اربعین قلۃ وارد ہے اور مضطرب المعنی اس لیے ہے کہ قلۃ کے چار معنی مروی ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی، اونٹ کی کہان، انسان کا قد اور مٹکہ۔ چنانچہ حنفیہ نے ان اضطرابات ثلثہ کی وجہ سے اس حدیث کو رد کیا ہے۔ (۴۸)

لیکن خود حنفیہ میں سے بعض حضرات نے اس اضطراب کو موجب قدح قرار نہیں دیا۔ صاحب السعایۃ نے بڑی تفصیل سے ان اضطرابات کو رد کیا ہے۔ (۴۹) خود مولانا گنگوہی نے لکھا ہے کہ حق یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ صاحب تحفۃ الاحوذی نے ان اضطرابات کو تفصیل رد کیا ہے۔ (۵۰)

حاصل یہ ہے کہ امام شافعی کی یہ دلیل بہر حال قابل استدلال ضرور ہے۔ تفصیل بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مسئلہ معرکۃ الاراء ہے اور تطبیق مذاہب کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

مولانا گنگوہی علم حدیث وفقہ میں مجتہدانہ صفات کے حامل تھے۔ آپ نے اس مسئلہ کی ایسی نادر تحقیق پیش فرمائی ہے جس سے دونوں مذاہب میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

حنفیہ اور شافعیہ کے مسلک میں تعارض ہے ہی نہیں ۔ اس لیے کہ احناف نے پانی کے جاری ہونے کی تحدید یہ کی ہے کہ اگر اس کی ایک طرف کو حرکت دی جائے تو دوسری طرف حرکت میں نہ آئے ۔ یعنی پانی اس مقدار میں ہو کہ اگر اس پانی کو ایک طرف سے ہلایا جائے تو اس کی دوسری طرف حرکت پیدا نہ ہو ۔ مولانا یحیٰ کاندھلوی لکھتے ہیں کہ استاد صاحب (مولانا گنگوہی) نے خود ہمیں اس کا تجربہ کروایا ہے کہ اگر کسی گہری جگہ میں قلتین (دو مٹکے) پانی ڈال دیا جائے اور اس پانی کو ایک طرف سے حرکت دی جائے تو اس کی دوسری طرف میں حرکت پیدا نہیں ہوتی یعنی پانی حنفیہ اور شافعیہ دونوں کے ہاں کثیر پانی ہے نتیجہ یہ ہے کہ دونوں مذہب ثمرۃ کے اعتبار سے ایک ہی ہیں ۔ (۵۱)

مولانا طالب علموں کو بھی اس کا تجربہ کروایا کرتے تھے ۔

"کیف وقد جربه الاستاذ العلامة حین قرأتنا تلک الروایات فکان قلتا الماء قدر غدیر عظیم لا یتحرک احدطرفیه بتحریک الطرف الآخر و کان نحوامن ستة اشبار فی مثلها ولله الحمد"(۵۲)

احکامی مسائل میں قواعد فقہیہ کا استعمال

مولانا گنگوہی کے درس حدیث کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کے ہاں اصولی قواعد کا لحاظ بہت زیادہ تھا ۔ ہمیشہ طلباء کو احکامی مسائل کے استخراج میں اصول فقہ کی تمرین کرواتے تھے ۔ الکوکب الدری میں قاری اس کا مشاہدہ کرسکتا ہے ۔ چنانچہ حدیث

"من ادرک رکعة من العصر و من ادرک رکعة من الفجر فقد ادرک"(۵۳)

محدثین وفقہاء کے ہاں مشکلات میں شمار ہوتی ہے اس لیے کہ اس حدیث کا تعارض اس حدیث کے ساتھ ہوتا ہے جس میں تین اوقات طلوع ، غروب اور استواء شمس میں نماز پڑھنے سے منع کردیا گیا ہے ۔ اس لیے کہ اس حدیث مذکورہ بالا میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جس نے ایک رکعت بھی فجر یا عصر کی پڑھ لی اور پھر وقت ختم ہوگیا تو اس نے نماز پالی یعنی وہ دوسری رکعت

بھی پڑھ لے اور نماز پوری کرے حالانکہ جب وہ دوسری رکعت پڑھے گا تو عین غروب یا طلوع شمس ہوگا۔

حنفیہ کے لیے یہاں ایک دوسری مشکل بھی ہے۔ان کے ہاں جس شخص نے عصر کے انتہائی آخری وقت میں نماز شروع کی اور دوران نماز سورج غروب ہوگیا تو اس کی نماز صحیح ہوگئی جبکہ فجر کے انتہائی آخری وقت میں نماز پڑھنے کے دوران اگر سورج طلوع ہوگیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔دیگر ائمہ کے نزدیک جو معاملہ فجر کا ہے وہی عصر کا ہے۔

حنفیہ فجر اور عصر کے درمیان فرق کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عصر کا انتہائی آخری وقت مکروہ ہونے کے باعث ناقص ہے جس شخص نے اس وقت میں نماز پڑھنا شروع کی ہے اس کی اداء ناقص ہے۔اب جب سورج غروب ہوا تو یہ وقت بھی ناقص تھا۔لہٰذا ناقص وقت میں نماز شروع کی اور ناقص وقت میں ہی ختم ہوگئی۔

جبکہ فجر میں سارا وقت کامل ہے جب اس نے انتہائی آخری وقت میں نماز شروع کی تو اداء کامل تھی۔ جب سورج طلوع ہوا تو وقت ناقص ہوگیا۔لہٰذا کامل وقت میں فرض ہونے والی اور شروع کی جانے والی نماز ناقص وقت میں ادا ہونے کے باعث فاسد ہوگئی۔ یہ حنفیہ کا وہ عام جواب ہے جو فقہ اور اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہے۔(۵۴)

مولانا گنگوہی لکھتے ہیں کہ اولاً دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔مولانا فرماتے ہیں کہ افعال کی دو قسمیں ہیں فعل حسی اور فعل شرعی۔

فعل حسی پر جب شارع کی طرف سے نہی وارد ہو تو وہ فعل مکمل طور پر منہی عنہ ہو جاتا ہے یعنی اس کا کرنا مکمل طور پر منع ہے اس کے جواز کی کوئی صورت باقی نہیں ہے۔جیسے زنا شریعت محمدی سے پہلے بھی جس طرح ممنوع تھا اسی طرح اب بھی حرام اور ممنوع ہے۔

فعل شرعی پر جب شارع کی طرف سے نہی وارد ہو جائے تو نفس جواز باقی رہتا ہے۔ گویا اصل حکم جائز ہوتا ہے کسی وصف اور عارض کی وجہ سے ممنوع قرار پاتا ہے۔(۵۵)

اسی اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو صلوۃ یعنی نماز فعل شرعی ہے۔ کیونکہ مشروعیت سے پہلے یہ نماز وہ نہیں تھی جو مشروع ہونے کے بعد ہے۔ پہلے نماز صرف چیخنا چلانا ہی تھا۔

''وما کان صلوتهم عند البيت الا مکاء و تصدية''(۵۶)

اب نماز ایک خاص ھئیت کے ساتھ ارکان مخصوصہ کے انجام دینے کا نام ہے۔لہذا ان مندرجہ بالا دو حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ اوقات ثلثہ والی حدیث میں اصل حکم بتلایا گیا ہے۔ جبکہ اس حدیث میں فجر اور عصر کے نفس جواز کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ احناف پر جو اعتراض ہے کہ وہ حدیث کے ایک حصہ پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دیتے ہیں، یہ اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے۔ گویا جس طرح عصر کی نماز نفس جواز کے اعتبار سے صحیح ہے اسی طرح فجر کے نماز بھی نفس جواز کے اعتبار سے صحیح ہے۔لہذا احناف نے حدیث کے دونوں اجزاء پر عمل کیا ہے۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ عارض کے باعث فجر اور عصر میں فرق کیا جاتا ہے۔ (۵۷)

اسرار شریعت کا بیان

فقیہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ احکام کی علتوں اور حکمتوں سے بھی واقف ہو۔ اس سلسلہ میں مولانا گنگوہی کو ولی اللہی خاندان کے علوم و معارف کا جانشین کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ خود مولانا یوسف بنوری لکھتے ہیں:

''وورث علوم الشيخ عبدالعزيز الدهلوی عالمان جليلان الامام الحجة محمد قاسم النانوتوی والمحدث الفقيه الحجة الشيخ احمد الکنکوهی بيد انه غلب علی النانوتوی علوم المتکلمين و علوم الحقائق و غلب علی الشيخ الکنکوهی علوم الفقهاء و علوم السنة مع حظ وافر بين الجانبين ولکن اصبحت جهة الحقائق مغلوبة فی واحد کما ان جهة علوم الفقهاء مغلوبة فی الآخر''(۵۸)

اسی سلسلہ میں چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ الحکمۃ ضالۃ المؤمن کی تشریح

حدیث میں آتا ہے: ''الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث و جدھا فھو احق بھا''(۵۹)

ضالۃ کا معنی ہے گمشدہ چیز یعنی حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔اس حدیث کی مختلف توجیہات حضرات محدثین نے بیان کی ہیں۔بعض نے کہا کہ ''ضالۃ'' کے معنی ''مطلوب'' کے ہیں۔یعنی حکمت مومن کی مطلوبہ چیز ہے۔بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض اوقات حکمت پر مشتمل بات ایسے شخص کو مل جاتی ہے جو اس کا اہل نہیں ہے۔اسے چاہیے کہ یہ بات کسی ایسے شخص تک پہنچا دے جو اس کا اہل ہے یعنی کسی دانا و حکیم کو یہ بات بتا دے۔بعض حضرات نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ اگر کوئی قیمتی اور نادر بات ایسے شخص کے علم میں آ جائے جو اسے سمجھنے سے قاصر ہے تو اسے چاہیے کہ اسے ضائع کرنے کی بجائے اہل علم وحکمت تک پہنچا دے۔(۶۰)

مولانا گنگوہی نے ان سب سے منفرد ایسی توجیہ کی ہے جس سے حکمت پر ضالۃ کے اطلاق کی فصاحت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔مولانا لکھتے ہیں کہ مومن فطرت سلیمہ پر پیدا ہوا ہے۔یعنی فطرتی طور پر اس میں حق بات سمجھنے اور حکمت و دانائی کے اقوال زریں حاصل کرنے کی خواہش ہے لیکن دنیوی زندگی میں آلائشوں اور گندگیوں کے باعث اس فطرتی صلاحیت پر پردہ پڑا ہوا تھا۔اب مومن حکمت و دانائی کی بات جب کسی دوسرے شخص سے سنتا ہے تو فوراً اسے قبول کرتا ہے۔گویا وہ بات اس کی گمی ہوئی میراث تھی جو اسے واپس لوٹا دی گئی ہے۔(۶۱)

فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ممانعت کلام کی وجہ

حدیث میں فجر کی سنتوں کے بعد فرائض کی ادائیگی تک کلام کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۶۲)
مولانا گنگوہی اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لما کان شرعیۃ سنن الفجر لدفع ما یتوارد علی القلب من غفلات النوم و کان الکلام فی ھذ الوقت یکثر الغفلات لم یکن لہ ان یتکلم الا بما لا بدمنہ''(۶۳)

حدیث ''من بنی للہ مسجد ا'' کی تشریح

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ مثلہ'' (۶۴)

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائی اللہ اسی طرح کا گھر جنت میں اس کے لیے بنائیں گے۔ ظاہر حدیث سے یہی معنی سامنے آتا ہے کہ جس قدر عمدہ مسجد بنائی جائے گی اسی قدر عمدہ گھر جنت میں بنایا جائے گا۔ مولانا ایک لطیف معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''المماثلۃ فی الاخلاص و علی ھذا فزیادۃ الاجر بزیادۃ الا خلاص و ان لم یزد مقدار ما انفق فیہ'' (۶۵)

یعنی مماثلت اخلاص میں ہے کہ جس قدر اخلاص کے ساتھ مسجد بنائی جائے گی اسی اخلاص کے بقدر آخرت میں گھر ملے گا۔

اسی حدیث کی ایک دوسری توجیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ معنی یہ ہو کہ مسجد بنانے پر ملنے والا ثواب اتنا ہی ارفع و اعلیٰ ہوگا جتنا دنیا کے گھروں کے مقابلے میں مسجد اعلیٰ و ارفع ہے۔ تیسری توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ مسجد کی تعمیر کے بدلے میں ملنے والا گھر جنت کے گھروں کے درمیان اتنا ہی اعلیٰ اور ممتاز ہوگا جتنی مسجد دنیا کے گھروں کے مقابلے میں اعلیٰ و ارفع ہے۔ (۶۶)

تعارض حدیث کا حل اور اس میں محدث گنگوہی کی مہارت

مولانا گنگوہی کو مشکلات الحدیث

کے حل کرنے میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ الکوکب الدری میں جا بجا مولانا گنگوہی کی اس مہارت کا احساس ہوتا ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

محرم کے بغیر عورت کے سفر کرنے کے بارے میں احادیث کا تعارض

خدائے عز و جل نے مرد کو خاندان کا قیم اور نگران بنایا ہے۔ عورت کو خانگی امور کا ذمہ دار

اور ازدواجی زندگی میں مشیر کا درجہ دیا ہے۔ چونکہ مردوں کی فطرت میں محنت و مشقت، سفر و تعب رکھ دیا گیا ہے۔ لہٰذا انہیں حکم ہے کہ اپنی فطرتی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے گھر کے باہر کے کام یہ خود سنبھالیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو بغیر محرم کے سفر کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں اس سفر کی تحدید تین دن سے کی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر بغیر محرم کے سفر شرعی کرنے سے منع کیا ہے جبکہ دیگر روایات میں ایک دن کا سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ الحاصل اس باب میں روایات مختلف ہیں۔ مولانا گنگوہی ان سب روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”و اما اذا کان السفر اقل من ذلک فالنھی منوط بالفتنۃ فان خیف علیھا الفتنۃ لا یجوز لھا الخروج الی مسجد فما ظنک بمسیرۃ یوم او یومین و ان لم یخف لم تنہ و علی ھذا فالروایات کلھا صحیحۃ مفیدۃ معمول بھا“(۶۷)

یعنی اگر سفر تین دن سے کم کا ہو تو ممانعت سفر کا تعلق فتنہ کے ساتھ ہوگا۔

عورتوں کے لیے زیارت قبر کے بارے میں مروی متعارض روایات

امام ترمذی نے نبی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے قبر کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (۶۸) جبکہ ایک دوسری حدیث میں آپ علیہ السلام کا صریح ارشاد منقول ہے کہ میں تمہیں زیارت قبور سے منع کرتا تھا اب تم زیارت کر لیا کرو۔ (۶۹) بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض نظر آتا ہے۔

مولانا گنگوہی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہاں تعارض نہیں ہے۔ جس حدیث میں قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت کا تذکرہ ہے وہ مقدم ہے جبکہ دوسری حدیث جس میں اجازت مروی ہے مؤخر ہے لہٰذا وہ پہلی حدیث منسوخ ہے البتہ فتنہ کے باعث ان کو قبر پر جانے سے روکنا چاہیے۔ (۷۰)

علامہ خیر الدین الرملی نے ان متعارض روایات نیز انتشار فتنہ کو بنیاد بنا کر یہ رائے قائم کی ہے کہ بوڑھی عورتوں کو اجازت دے دی جائے جب کہ جوان لڑکیوں کو اس سے منع کیا جائے۔(۷۱)

رفع تعارض کی ایک اور مثال

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی علیہ السلام کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ میری والدہ فوت ہو چکی ہے اب میں کس کے ساتھ نیکی کروں۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا اپنی خالہ سے۔(۷۲)

اس حدیث کے مختلف طرق جمع کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ مجھ سے والدہ کی خدمت میں حق تلفی ہوئی ہے۔ یا اس شخص کی مراد یہ تھی کہ والدہ کے ساتھ حسنِ معاشرت میں کمی کے باعث مجھ سے حقوق اللہ میں تقصیر ہوئی ہے۔(۷۳)

اس حدیث پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اس شخص نے اپنی والدہ کے حق میں تقصیر کی تھی تو پھر خالہ کے ساتھ حسن سلوک سے وہ تقصیر معاف نہیں ہو سکتی اور اگر اس سے حقوق العباد میں نہیں بلکہ حقوق اللہ میں تقصیر ہوئی تھی تو پھر توبہ سے یہ تقصیر معاف ہو گئی کیونکہ جب وہ شخص نبی علیہ السلام کے پاس آیا تو اس وقت وہ توبہ کر چکا تھا۔ جیسا کہ سیاق حدیث سے ظاہر ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں خالہ کے ساتھ حسنِ سلوک کے حکم کی کوئی توجیہہ سامنے نہیں آتی۔

مولانا گنگوہی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ بعض اوقات انسان کے دل میں گناہ کی ندامت اور اس پر شرمساری اس حد تک غالب ہوتی ہے کہ توبہ اور ندامت کے بعد بھی اس کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ نبی علیہ السلام نے اس شخص کی اسی حالت کو محسوس فرمایا لہٰذا اسے خالہ کیساتھ سلوک کا حکم دیا تاکہ گناہ کی وہ چھپی ہوئی خلش اس کے دل سے دور ہو جائے جو اسے پریشان کر رہی ہے۔(۷۴) اسی مضمون کو قرآن میں ﴿ ان الحسنات یذھبن السیأت ﴾(۷۵) کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تذکرہ مشائخ دیوبند، ص ۱۰۸۔۱۰۷، مفتی، عزیز الرحمٰن، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۶۴ء

۲۔ ایضاً، ص ۱۰۵

۳۔ دوآبہ، اس علاقہ کو کہا جاتا ہے جو دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے۔ اس پٹی میں دھلی، میرٹھ، مظفر نگر اور سہارنپور کے اضلاع شامل ہیں۔ اس سارے علاقے کی شہرت اپنی نوعیت کی ہے۔ خانوادہ ولی اللہ کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔

شریعت وطریقت کا تلازم، ص ۳، محمد زکریا، مولانا، کراچی، مکتبہ الشیخ، ۱۹۹۳ء

۴۔ محولہ بالا

۵۔ تذکرۃ الرشید، ص ۱۷، عاشق الٰہی، میرٹھی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۶ء

۶۔ دہلی اور اس کے اطراف، سید، عبدالحئی، دلی، اردو اکادمی، ۱۹۸۸ء

۷۔ تذکرہ مشائخ دیوبند، ص ۱۰۸

۸۔ انوار قاسمی، ۱/۶۷، انوار الحسن، شیرکوٹی، لاہور، ادارہ سعدیہ، ۱۹۶۹ء

۹۔ نزھۃ الخواطر، ۱۴۸/۸، سید، عبدالحئی، کراچی، اصح المطابع، ۱۹۸۶ء

۱۰۔ تذکرۃ الرشید، ۱/۲۹۔۳۷

۱۱۔ تذکرہ مشائخ دیوبند، ص ۱۱۰

۱۲۔ تذکرۃ الرشید، ۱/۵۱۔۵۲

۱۳۔ آل عمران/۱۶۴

۱۴۔ دلائل السلوک، ص ۱۶، مولانا اللہ یار خان، چکوال، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، ۱۹۹۸ء

۱۵۔ اسلامی تصور میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص ، چشتی، یوسف سلیم، لاہور، انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۳ء

۱۶۔ مکاتیب رشیدیہ، ص ۵۸، عاشق الٰہی، میرٹھی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۴ء

۱۷۔ خلفاء کے ناموں کے لیے ملاحظہ ہو ''تذکرۃ الرشید''، ۱۶۰/۲۔۱۵۴

۱۸۔ اولاً شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا، پھر علماء نے جنگ آزادی کو جہاد قرار دے دیا تھا۔

فتاویٰ عزیزی، ۳۴/۱۔۳۳، عبدالعزیز، شاہ، دہلوی، دہلی، طبع مجتبائی، ۱۳۱۱ھ،

نقش حیات، مدنی، حسین احمد، کراچی، دارالاشاعت، ۴۵۶/۲۔۴۵۴

۱۹۔ جنگ آزادی میں اس طائفہ کی شمولیت اور میدان شاملی میں ان کی روئیداد جہاد کے لیے ملاحظہ ہو

(i ۱۸۵۷ء کے مجاہد، غلام رسول، مہر، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۱ء

(ii جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر، ص ۱۵۷۔۱۵۴، قریشی، محمد صدیق، لاہور، مقبول اکیڈمی،

(iii انگریز کے باغی مسلمان، جانباز مرزا، لاہور، مکتبہ تبصرہ، ۱۹۸۰ء

(iv نقش حیات، مدنی حسین احمد، ۴۷۳/۲۔۴۶۴

۲۰۔ مساعی جہاد کا انکار کرنے والوں میں ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، عبدالشاھد شیروانی، پیام شاہ جہان پوری شامل ہیں۔

(i برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۱۱۵۔۱۱۲، جالندھری، رشید احمد، ڈاکٹر، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء

(ii باغی ہندوستان (ترجمہ التورۃ الھندیہ)، ص ۳۲، مرتب، عبدالشاہد، لاہور، مکتبہ قادریہ، ۱۹۷۴ء

۲۱۔ مساعی جہاد کا انکار کرنے والوں کی بڑی دلیل صاحب تذکرۃ الرشید کا طریق بیان ہے جو ان حضرات کی شرکت کو حادثاتی ظاہر کرتا ہے۔ اس بارے میں شیخ الحدیث مولانا زکریا کا وہ جواب دیکھنا چاہیے جو مولانا عاشق الٰہی بلندشہری کے استفسار کی بابت آپ نے دیا تھا۔ ملاحظہ ہو

(i تذکرۃ الرشید (حاشیہ)، ۷۳/۱

(ii ایضاً، ۶۲۲/۲۔۶۲۰

۲۲۔ نقش حیات، ۴۷۰/۲۔۴۶۹

۲۳۔ تذکرۃ الرشید، ۶۴/۱

۲۴۔ ایضاً، ۱/۹۳

۲۵۔ ''سرد'' ایک خاص اصطلاح ہے جس سے مراد درس حدیث میں قرأۃ کرنا ہے۔ اس میں صرف ان مقامات پر تشریح وتوضیح کی جاتی ہے جو نہایت اہم ہوں ورنہ طالب علم حدیث کی قراۃ جاری رکھا۔ شاہ ولی اللہ نے اس طریقہ کو برصغیر میں متعارف کرایا تھا۔

۲۶۔ سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث، ص ۴۰۵ عثمانی، ظفر احمد، معارف، اعظم گڑھ، جون ۱۹۴۴ء

۲۷۔ احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، ص ۶۹۔۶۸، گیلانی، مناظر احسن، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ

۲۸۔ سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث، ص ۴۰۵

۲۹۔ محولہ بالا

۳۰۔ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۵ء تک دار العلوم کی سرپرستی کی، مظاہر العلوم کے قیام کے بعد اس کی سرپرستی بھی قبول کر لی تھی۔ ملاحظہ ہو

i) تاریخ دار العلوم دیوبند، محمد طیب، قاری، ص ۹۳

ii) تذکرۃ الرشید، ۱/۲۴۶

۳۱۔ تذکرۃ الرشید، ۲/۳۳۱

۳۲۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ، ص ۲۴۰، نواب، صدیق حسن خان، لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۳۹۷ھ

۳۳۔ بستان المحدثین، ص ۲۹۰، شاہ عبدالعزیز، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی (س۔ن)

۳۴۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۲۵۱، مبارکپوری، عبدالرحمٰن، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۵ھ

۳۵۔ محولہ بالا

۳۶۔ محولہ بالا

۳۷۔ محولہ بالا

۳۸۔ محولہ بالا

۳۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۱۵۴، ذہبی، شمس الدین محمد، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۹ھ

☆ التقیید لمعرفۃ الرواۃ والسنن والمسانید، ابن نقطہ، محمد بن عبدالغنی، بیروت، دار الحدیث ۱۴۰۷ھ

۴۰۔ جامع الاصول، ۱/۱۱۴، ابن اثیر، مبارک بن محمد، لبنان، دار احیاء التراث ۱۴۰۴ھ

۴۱۔ الکوکب الدری، ص ۸، تقدیم، ندوی، ابوالحسن،

۴۲۔ مقدمۃ لامع الدراری، ص ۱۷۵، بنوری، محمد یوسف، بحوالہ ماہنامہ الرشید، دارالعلوم دیوبند نمبر

۴۳۔ المبسوط للسرخسی، ۴۶/۱

۴۴۔ التہذیب، ۱۵۳/۱۔۱۵۲، بغوی، محمد بن فراء، بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۷ء

الاقناع، ۱۱/۱، مقدسی، موسیٰ بن احمد، مکہ، مرکز البحوث، ۱۹۹۹ء

۴۵۔ بدایۃ المجتھد، ۱۷/۱، ابن رشد، محمد بن احمد، لاہور، فاران اکیڈمی، (س۔ن)

۴۶۔ السعایہ فی حل مافی شرح الوقایہ، ص ۷۷۔۳۷۰، لکھنوی، عبدالحئی، مولانا، لاہور، سہیل اکیڈمی، ۱۳۹۶ھ

۴۷۔ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، ۱۹۱/۱

۴۸۔ نصب الرایۃ، ۱۶۰/۱۔۱۵۴

معارف السنن، ۳۴۴/۱۔۲۳۳، بنوری، محمد یوسف، مولانا، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی ۱۴۱۳ھ

۴۹۔ السعایہ، ۳۸۷/۱۔۳۷۰

۵۰۔ تحفۃ الاحوذی، ۱۹۶/۱۔۱۹۱

۵۱۔ محولہ بالا

۵۲۔ الکوکب الدری، ۹۲/۱

۵۳۔ جامع الترمذی، ۲۶/۱، ملتان فاروقی کتب خانہ

۵۴۔ نورالانوار، ص ۵۴، ملا جیون، احمد بن ابی سعید، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی (س۔ن)

۵۵۔ ایضاً، ص ۶۴۔۶۲

۵۶۔ الانفال/۳۵

۵۷۔ الکوکب الدری، ۲۱۹/۱۔۲۱۵

۵۸۔ مقدمۃ لامع الدراری، بحوالہ ماہنامہ الرشید، دارالعلوم دیوبند نمبر، ص ۷۵۔۱۷۴،

۵۹۔ جامع الترمذی، ۹۳/۲

۶۰۔ شرح الطیبی علی المشکاۃ، ۶۷/۲، طیبی، حسین بن عبداللہ، مکہ، نزار مصطفیٰ الباز

مرقاۃ المفاتیح ،۱/۴۷۶۔۴۷۵، ملا علی قاری، حسین بن علی ،بیروت ،دار الفکر

۶۱۔ الکوکب الدری ،۳/۳۷۴

۶۲۔ جامع الترمذی ،۲/۲۷۸

۶۳۔ ایضاً ،۱/۳۷۷

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ ایضاً ،۱/۳۱۳

۶۶۔ ایضاً ،۱/۱۴۔۳۱۳

۶۷۔ ایضاً ،۲/۵۹۔۲۵۸

۶۸۔ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ،۴/۱۱۲

۶۹۔ ایضاً ،۴/۱۱۰

۷۰۔ ایضاً ،۱/۳۱۵

۷۱۔ الفتاویٰ الخیریۃ ،۱/۳۱۲

۷۲۔ جامع الترمذی ،۲/۱۲

۷۳۔ حاشیہ الکوکب الدری ،۳/۴۷۔۴۶

۷۴۔ الکوکب الدری ،۳/۴۶

۷۵۔ ھود/۱۴

☆☆☆☆☆☆☆☆